ماہ نامہ

قومی زبان

مئی ۲۰۲۵ء کراچی





بانی: بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق

جاری شدہ: ۱۹۴۸ء

مدیرِ منتظم

سید عابد رضوی

مجلسِ مشاورت

زاہدہ حنا

واجد جواد

پروفیسر ڈاکٹر شاداب احسانی

مدیر

پروفیسر ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی

معاون

سیّد علی حسن

فی پرچہ: ۲۵۰ روپے

سالانہ (صرف رجسٹری سے): ۳۵۰۰ روپے

سالانہ (ہوائی ڈاک سے) ۵۰ پونڈ/۱۰۰ ڈالر

کتب و رسائل کی خریداری کے لیے منی آرڈر/بنک ڈرافٹ بنام
انجمن ترقی اردو پاکستان ارسال کیجیے۔

انجمن ترقی اُردو پاکستان

شعبۂ تحقیق و تالیف و تصنیف

اُردو باغ، ایس ٹی-۱۰، بلاک ۱، گلستان جوہر، کراچی

رابطہ: ۰۲۱-۳۴۱۶۱۱۴۳ شعبۂ فروخت: ۰۳۳۲-۲۷۹۰۸۴۳

atup.khi@gmail.com http://www.atup.org.pk

سید ایف ایچ عابد رضوی، مدیرِ منتظم نے انجمن ترقی اُردو پاکستان، اردو باغ، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فہرست

محمد عارف سومرو ٭

مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' (تدوین وتعارف)

محمد بن تغلق نے دہلی کے بجائے دولت آباد دار الحکومت بنایا تو زیادہ تر دلی اُٹھ کر دکن پہنچ گئی اور اپنے ساتھ ایک نئی زبان بھی لے گئی۔ اس زبان کا نام ہندوی یا ہندی تھا اور مسلمان و ہندو دونوں کی معاشرتی ضرورتوں سے وجود میں آئی تھی۔ یہی زبان شمالی ہند سے دکن پہنچی اور وہاں کے مختلف علاقوں میں اس کا نام دکنی اور گجراتی یا گجری رکھا گیا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب دکن کا لفظ شمالی ہند کے مقابل استعمال کیا جاتا تھا۔ اردو زبان کے لیے دکن کا علاقہ شمالی ہند کے مقابلے میں زیادہ سازگار ثابت ہوا بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہی وہ علاقہ ہے جس نے سب سے پہلے اس نوخیز زبان کو اپنایا اور اس طرح پروان چڑھایا کہ آگے چل کر اس نے سارے برصغیر پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ محمد بن تغلق کے آخری دور میں دکن کے بیش تر علاقے سلطنتِ دہلی سے نکل گئے اور وہاں کئی خودمختار حکومتیں قائم ہوگئیں۔ ان میں بہمنی اور وجے نگر دو بڑی سلطنتیں قابلِ ذکر ہیں۔ بہمنی دور میں دکنی اردو میں تصنیف و تالیف کا کام شروع ہو گیا تھا۔ دکنی اردو کے ادبی سرمائے میں نثر کے مقابلے میں شعری ادب زیادہ کثرت میں ہے۔ شعری ادب میں بھی بعض اصناف پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ ان میں مثنوی کی صنف تمام اصناف پر حاوی ہے۔ مثنویوں میں بھی معیار و مقدار دونوں لحاظ سے اکثر وہی قابل توجہ ہیں جن میں کوئی فرضی قصہ یا نیم تاریخی داستان نظم کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے دکنی مثنویاں یا منظوم داستانیں ہی قدیم دکنی ادب کی قدر و قیمت متعین کرنے اور لسانی تغیرات کا مطالعہ کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ ہیئت کے اعتبار سے تمام منظوم قصے مثنویوں کی صورت میں ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلسل واقعات کو نظم کرنے کے لیے اردو و فارسی میں اس سے بہتر اور مفید کوئی دوسری صنف نہیں ہے۔ دوسرے چوں کہ فارسی قصے مثنوی کی صورت میں تھے اس لیے دکنی شعرا نے بھی فارسی شعرا کی تقلید و اتباع میں اسی صنف کو اظہار کا ذریعہ بنا لیا اور یہ تقلید ایسی مقبول ہوئی کہ آج تک جتنے قصے اردو میں نظم ہوئے ہیں چند کو چھوڑ کر سب کے سب مثنوی کی صورت میں ہیں۔ زیادہ تر دکنی منظوم داستانیں شاعرانہ کمالات دکھانے اور بادشاہِ وقت کو خوش کر کے انعام و اکرام حاصل کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں۔ شاعرانہ محاسن وفنی نکات کے شمول سے یہ داستانیں ادب اور تاریخ دونوں کا اہم باب بن گئیں۔ تاریخی نقطۂ نظر سے اردو کی پہلی مثنوی جس میں داستان نظم کی گئی ہے وہ فخر دین نظامی کی کدم راؤ پدم راؤ ہے۔ اس مثنوی کے مصنف فخر دین نظامی بہمنی دور کا شاعر تھا۔ اس کا تعلق بیدر (کرناٹک) سے تھا۔ اردو زبان کی یہ اب تک کی دریافت اور دستیاب شدہ پہلی اور قدیم ترین مثنوی ہے جو اردو کے قدیم لہجے ''دکنی'' میں لکھی گئی تھی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحقیق کے مطابق فخر دین نظامی نے یہ مثنوی بہمنی سلطنت کے مشہور فرمانروا احمد شاہ بہمنی کے

٭ جی۔۱، اے ۷ ۶۴، بلاک ۳، گلشنِ اقبال، کراچی۔ رابطہ: ۰۳۰۰-۲۹۳۶۸۲۷

عہدِحکومت یعنی ۸۲۵ھ سے ۸۳۹ھ یعنی ۱۴۲۱ء سے ۱۴۳۵ء میں تحریر کی تھی۔ چوں کہ اس مثنوی کے ابتدائی اور آخری صفحات غائب ہیں اس لیے اس کا اصل نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اس مثنوی کے دو کردار ہیں۔ ایک کدم راؤ راجا اور دوسرا پدم راؤ وزیر۔ نصیر الدین ہاشمی نے انھی کرداروں کی مناسبت سے اس کا نام مثنوی کدم راؤ پدم راؤ رکھ دیا ہے۔ کدم راؤ پدم راؤ ایک رومانوی اور اساطیری کہانی پر مبنی ہے۔ اس میں دو کردار کدم راؤ اور پدم راؤ کی کہانی بیان کی گئی ہے، جن کا تعلق راجپوت روایت سے جوڑا جاتا ہے۔ کہانی میں جادو، طلسم، روحانی قوتوں، اور دیومالائی عناصر کا تذکرہ ملتا ہے، جو اس دور کے تخیلاتی ادب کا خاصہ تھا۔ یہ مثنوی ہندوستانی تہذیب اور اسلامی ادبی روایات کے امتزاج کی ایک بہترین مثال ہے، جس میں ہندو دیو مالا اور فارسی وعربی قصے کہانیوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس مثنوی میں اشعار کی تعداد ۱۰۳۲ ہے اور ۱۰۳۳ واں شعر نامکمل ہے اور اس کے بعد کے شعر ضائع ہو گئے ہیں۔ اس مثنوی میں پہلے حمد آتی ہے، پھر نعت اور اس کے بعد بہمنی سلطنت کے بانی کی مدح آتی ہے۔ چوں کہ مدح پر مشتمل اشعار بھی مخطوطے میں پورے نہیں اور مدح کے بعد کے بھی کئی صفحات کم ہیں، اس لیے فوراً قصہ شروع ہو جاتا ہے۔ مخطوطے کے صفحات بیچ بیچ میں غائب ہونے کہ وجہ سے قصے کا تسلسل بار بار ٹوٹ جاتا ہے۔ مثنوی میں تقریباً بارہ ہزار الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ان میں سے صرف سوا سو کے قریب الفاظ عربی اور فارسی کے ہیں۔ ''کدم راؤ پدم راؤ'' کی اولین اہمیت یہ ہے کہ یہ اردو زبان کا قدیم ترین ادبی ولسانی نمونہ ہے۔

محمد حسن اپنی تصنیف قدیم اردو کی تنقیدی تاریخ میں لکھتے ہیں:

> اس مثنوی میں سنیاسیوں اور جوگیوں کا مکروفریب اور ان کی ہوس کو بے نقاب کیا گیا ہے اور ان کے مکروفریب پر وفاداری اور دیانت داری بلکہ سادگی اور سادہ دلی کی فتح دکھائی گئی ہے۔ یہ نہ فارسی کی کسی مثنوی کا ترجمہ ہے نہ سنسکرت کی کسی قصے کا بلکہ ایک ایسی طبع زاد تصنیف ہے جس میں اپنے دور کی روایات اور اپنے دور کے ادبی اسالیب سے آزادانہ استفادہ کیا گیا ہے۔

اس مثنوی کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے ترتیب دے کر ایک طویل مقدمے (جو تقریباً ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے) کے ساتھ ۱۹۷۳ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی سے شائع کرایا تھا، بعد ازاں اس کا دوسرا ایڈیشن ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی سے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا گیا۔

اس مثنوی کے مخطوطے کے بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''مثنوی کدم راؤ پدم راؤ'' کا مخطوطہ جو دنیا بھر میں اس کتاب کا واحد نسخہ ہے، عمر یافعی حیدرآبادی کی ملکیت تھا اور ۱۹۴۹ء میں ان کے ذخیرۂ کتب کے ساتھ انجمن ترقی اردو آ گیا تھا۔ عمر یافعی مرحوم کو نادر و نایاب ادبی، علمی و تاریخی کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ وہ ذخیرۂ کتب جو انھوں نے انجمن ترقی اردو کو دیا، تقریباً ۱۸ ہزار بیش بہا مطبوعات ومخطوطات پر مشتمل تھا۔ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کا یہ وہی نسخہ تھا جو ایک زمانے میں مرحوم لطیف الدین ادریسی حیدرآبادی کے پاس تھا اور جس کا مطالعہ کر کے مولوی نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے اکتوبر ۱۹۳۲ء کے معارف (اعظم گڑھ) میں ایک تعارفی

مضمون ''بہمنی عہد کا ایک دکنی شاعر'' قلم بند کیا تھا۔

کتاب کے مطبوعہ ایڈیشن میں ۵۲ صفحات کا مفصل مقدمہ بھی شامل ہے جس میں زمانۂ تصنیف، مثنوی کے نام، مصنف کے حالات، خلاصۂ مماثلات املا اور کاتب کے علاوہ کتاب کے لسانی اور ادبی پہلوؤں پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔ متن کے ساتھ مخطوطے کا عکس سامنے والے صفحات پر دیا گیا ہے جس کے باعث کتاب کی اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے۔ متن کے آخر میں مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی شامل ہے۔ آخر میں دو ضمیمے ہیں، ایک سلاطینِ بہمنی کے بارے میں، دوسرا ان شخصیات کے بارے میں جو مثنوی میں آئی ہیں۔ آخر میں مآخذ کی فہرست بھی شامل ہے۔ بلا شبہ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کی تدوین اردو ادب کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حامل ہے۔ اسی مثنوی پر تحقیق اور تدوین پر ڈاکٹر جمیل جالبی کو ڈی لٹ کی ڈگری عطا کی گئی۔

مآخذ

۱۔ فخر دین نظامی، ''مثنوی کدم راؤ پدم راؤ''، مرتب ڈاکٹر جمیل جالبی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۷۹ء
۲۔ محمد حسن، ''قدیم اردو کی تنقیدی تاریخ''، اُتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۲۰۰۵ء، طبع دوم
۳۔ سعدیہ سلیمان، ''جمیل جالبی کی ادبی خدمات'' (مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو)، نگراں پروفیسر اصغر عباس، شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ہندوستان، ۲۰۰۸ء
۴۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ''مقالاتِ تحقیق''، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، مارچ ۱۹۸۸ء، طبع اوّل
۵۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، ''تاریخِ ادبِ اُردو'' (جلد اول)، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، جون ۱۹۹۵ء، طبع چہارم
۶۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''اردو کی منظوم داستانیں''، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۷۱ء، طبع اوّل